عقیدہ نزولِ مسیح علیہ السلام

قرآن، حدیث اور اجماعِ امت کی روشنی میں

از

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری نوراللہ مرقدہ

جمع و ترتیب جدید و اضافہ عنوانات

محمد عمر انور

بیت العلم کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم

عرضِ مرتب

پیش نظر رسالہ حضرت بنوری رحمہ اللہ نے آج سے اکیاون برس قبل یعنی ۱۳۷۴ھ میں سہ روزہ ''صدق'' (لکھنؤ) کے لئے تحریر فرمایا تھا، جو کہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی زیرادارت نکلا کرتا تھا، باعث تحریر کچھ یوں تھا کہ ہندوستان کے شہر جے پور کے ایک علمی گھرانے سے تعلق رکھنے والی شخصیت مولانا عبدالرحیم مجددی نے نزول مسیح کا انکار کیا اور ان کا موقف سہ روزہ ''صدق'' میں شائع ہوا، جس کے جواب میں حضرت بنوری رحمہ اللہ نے چھ قسطوں میں اس باطل نظریہ کی بھرپور تردید کری اور قرآن، حدیث، اجماع امت اور اقوال فقہاء ومحدثین کی روشنی میں عقیدۂ نزول مسیح کی وضاحت پیش کی، چنانچہ آپ کا یہ مکمل مضمون بھی ''صدق'' میں شائع ہوا تھا، حضرت بنوری رحمہ اللہ نے اس چھوٹے سے مقالے میں بیش بہا علمی نکات سمو دیئے ہیں جو کہ آپ ہی کا خاصہ ہے، اور بلاشبہ آپ امام العصر حضرت انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے ان چند قابل فخر تلامذہ میں سے ہیں جن پر زمانہ صدیوں ناز کرے گا۔

آج سے اکیاون برس قبل کے اس مضمون اور اس رسالہ میں فرق صرف اتنا ہی ہے کہ عنوانات کا موضوع اور مناسبت کے اعتبار سے اضافہ ہے، اور رسالہ کو چار ابواب میں تقسیم کر دیا گیا ہے، چنانچہ اب یہ جدید ترتیب وتبویب وتہذیب کے ساتھ پیش خدمت ہے، دعا ہے کہ اللہ رب العزت اس کتاب کو مؤلف، مرتب اور قاری ہر ایک کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین۔

محمد عمر انور

فاضل ومتخصص فی الفقہ الاسلامی، جامعہ بنوری ٹاؤن، کراچی

یکم رجب المرجب ۱۴۲۵ھ بمطابق ۱۸؍اگست ۲۰۰۴ء

پیش لفظ

حضرت مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

الحمد للّٰہ و کفی والصلوۃ والسلام علی نبینا المصطفی وعلی الہ واصحابہ ومن اتبع الھدی، اما بعد :

آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں وہ بڑا ہی پر فتن دور ہے، نسل انسانیت عموماً اور مسلمان خصوصاً قسم قسم کے فتنوں میں گھرے ہوئے ہیں مسلمان بحیثیت مسلمان آج جتنے خطرناک حالات سے دوچار ہیں شاید ماضی کی تاریخ ایسی مثالوں سے خالی ہو، ہر سمت سے قصر اسلام پر فتنوں کی ایسی یلغار ہے کہ الامان والحفیظ! طرح طرح کے فتنے ظاہر ہو رہے ہیں، اعتقادی، عملی ظاہری اور باطنی، ہر ایک دوسرے سے بڑھتا جا رہا ہے، مگر سب سے خطرناک فتنے وہ ہیں جن کا تعلق اعتقاد سے ہو، ان اعتقادی فتنوں میں سے ایک فتنہ عقیدۂ نزول مسیح علیہ السلام سے یکسر انکار کرنا یا کم از کم اس کی اساسی حیثیت تسلیم کرنے سے اعراض کرنا اور اس کو غیر ضروری ماننا بھی ہے، حتیٰ کہ بعض ایسے اہل علم وقلم بھی جن کی رفعت شان کی طرف اگر ہم نگاہ اٹھا کر دیکھتے ہیں تو ان کے علم وعمل، فضل وکمال اور ان کی عظمت کو اپنی بے پناہ بلندی کی وجہ سے ہماری نگاہیں سر نہیں کر سکتیں وہ بھی اس رو میں بہہ گئے ہیں، حالانکہ اگر دیکھا جائے تو ایک تو خود اس کی اساسی اور کلیدی حیثیت ہے اور دوسرا اس کے انکار کرنے سے اور کتنے فتنوں کو سر اٹھانے کا موقع ملے گا اور مزید کتنی خرابیاں لازم آئیں گی، جبکہ عقیدۂ نزول مسیح علیہ السلام کی اعتقادی حیثیت مسلم ہے اور اس کا ضروریات دین میں سے ہونا اظہر من الشمس ہے کہ نزول مسیح علیہ

السلام قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

زیر نظر کتاب میں والد ماجد حضرت بنوری رحمہ اللہ نے اس عقیدہ کو قرآن کریم، احادیث مبارکہ اور اجماع امت کی روشنی میں اصولی اور علمی انداز میں بحث کر کے واضح کیا ہے، اور اس موضوع کی اہمیت اور ضرورت کا بخوبی ادراک کر کے اس موضوع پر سیر حاصل ذخیرہ تحریر فرمایا، بلا مبالغہ اگر کسی کے دل میں اس عقیدہ کے حوالے سے کوئی شبہ یا ابہام ہے تو اسے پڑھ کر ان شاء اللہ اس کے شکوک دور ہو جائیں گے، اور کوئی اس عقیدہ کو سمجھنا چاہتا ہو تو اسے بھی ان مضامین کے مطالعہ کے بعد اس عقیدہ کے بارے میں بصیرت حاصل ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے عزیز برخوردار مولانا محمد عمر بن مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ کو کہ انہوں نے اس موضوع کی اہمیت اور ضرورت کا ادراک کیا، اور والد ماجد حضرت بنوری رحمہ اللہ کے ان رشحات قلم کو یکجا کر کے ترتیب وتبویب دینے کے علاوہ انتہائی مناسب عنوانات کا اضافہ فرما کر عصر حاضر کے تقاضوں اور جدید ذوق کے مطابق حسین پیرائے میں کتابی شکل دی ہے، ان کی یہ کاوش اور علم دوستی داد تحسین کی مستحق ہے، اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں مزید برکت عطا فرمائے، اور ان کو دین متین کی بے لوث خدمت کرنے کا مزید موقع عنایت فرمائے، اور ان کے علمی ذوق میں دوگنا اضافہ فرمائے، آمین۔ بحرمة النبی الکریم علیه الصلوة والسلام

والسلام

سلیمان یوسف بنوری

فہرستِ مضامین

تمہید

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ

حامداً و مصلیاً

امام حجۃ الاسلام غزالی ''مقاصد الفلاسفہ'' وغیرہ میں فرماتے ہیں:

''یونانیوں کے علوم میں حساب، ہندسہ اور اقلیدس یقینی علوم تھے، ان کو یقینی اور صحیح پا کر ان کے بقیہ علوم الہیات، طبیعیات، نجوم وغیرہ کو بھی بعض لوگ ان کی تقلید میں صحیح خیال کرنے لگے۔''

حقیقت میں یہ ایک عام چیز ہے نہ اس عہد کی تخصیص ہے نہ یونانیوں کے علوم کی خصوصیت۔ اکثر جب لوگ کسی کی شخصیت سے مرعوب ہوجاتے ہیں ان کے بعض خودساختہ غلط نظریات و افکار کو ہی یا تو صحیح مان لیتے ہیں یا اس میں تاویل کے درپے ہوجاتے ہیں تو ان کی شخصیت کو بچاتے رہتے ہیں۔ آج کل یہی وباء پھیل رہی ہے۔ بعض مشاہیر جن کے بعض کمالات و خصائص عوام میں مسلم ہوگئے ہیں، اکثر لوگ ان کی شخصیت اور بعض خصوصیات سے مرعوب ہوکر ان کے بقیہ خیالات و افکار کو بھی صحیح تصور کرنے لگتے ہیں اور بسا اوقات اس میں غلو کرکے ان ہی تحقیقات کو صحیح نظریات سمجھنے لگتے ہیں۔ اس عقلی ترقی کے دور میں یہ چیز خود دنیا کے دوسرے عجائبات کی طرح حیرت انگیز ہے۔ ایک طرف کبار امت اور اساطین اسلام عمائدین اشعری، ماتریدی، باقلانی، غزالی، رازی، آمدی وغیرہ جیسے محققین اسلام کی تحقیر کی جاتی ہے، کبار فقہاء امت اور اکابر محدثین کے فیصلوں کو بنظر اشتباہ دیکھا جاتا ہے اور دوسری طرف قرن حاضر کے بعض

ارباب قلم کی قلمی جولانیوں سے متاثر یا ان کی شخصیت سے مرعوب ہوکر ان کے ہر فکر اور ہر خیال کو قطعی خیال کرنے لگتے ہیں۔

گذارش احوال واقعی

کچھ دنوں سے ہندوستان کے موقر جریدہ ''صدق'' میں نزول مسیح علیہ السلام کا عقیدہ زیر بحث ہے جو مدتوں پہلے سے فیصلہ شدہ اور جو ''فتنہ قادیانیت'' کی وجہ سے پھر تقریباً چالیس سال زیر بحث رہا اور جس پر متعدد کتابیں تصنیف ہوئیں۔ مولوی ابوالکلام آزاد صاحب، مولوی جار اللہ صاحب، مولانا عبیداللہ صاحب سندھی وغیرہ کی تحریرات میں یہ چیز آئی اور مولانا آزاد نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ:

> ''اگر یہ عقیدت نجات کے لئے ضرور ہوتا تو قرآن میں کم از کم ﴿واقیموا الصلاۃ﴾ جیسی تصریح ضروری تھی اور ہمارا اعتقاد ہے کہ کوئی مسیح اب آنے والا نہیں'' الخ۔

اس وقت بھی میں نے اس خیال کی تردید میں ایک مفصل مضمون لکھا تھا جو بعض ارباب جرائد کی مداہنت سے شائع نہ ہوسکا اور نہ اس کا مسودہ میرے پاس ہے۔ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کو اصل داعیہ اس قسم کے خیالات میں عقلی استبداد ہے اور بدقسمتی سے اپنے عقلی معیار کو ان حضرات نے اتنا بلند سمجھا ہے کہ نبوت کا منصب گویا ان عقول قاصرہ کو دے دیا گیا، ہوسکتا ہے کہ ہمارے بعض نیک دل ارباب قلم ان ہی حضرات کی شخصیتوں سے مرعوب ہوکر غیر شعوری تقلید میں کچھ درمیانی صورت اختیار کرنے لگے ہوں۔

اہل حق کے مسلک کی تائید میں جناب محترم مولانا ظفر احمد تھانوی نے ایک مقالہ ''صدق'' میں شائع فرمایا۔ اس کے جواب میں جے پور کے ایک محترم نے بہت طویل مقالہ ''صدق'' میں شائع فرمایا جس کی تنقیح حسب ذیل امور میں ہوسکتی ہے:

۱. نزول مسیح کا عقیدہ صحیح ہے لیکن ظنی ہے یقینی نہیں۔

۲. نزول مسیح کے بارے میں احادیث اصطلاحی تواتر کو نہیں پہنچیں۔

۳. نزول مسیح کے بارے میں اجماع کا نقل مشتبہ ہے، غیب کے آئندہ امور میں اجماع محل نظر ہے۔

ممکن ہے کچھ اور اجزاء بھی تنقیح طلب ہوں، لیکن اصل مدار ان تین چیزوں پر ہے اور یہی زیادہ اہم بھی ہیں۔ اس وقت اس مختصر فرصت میں اس مسئلہ کی نوعیت میں بعض خطرناک اصولی غلطیاں جو پیش آ رہی ہیں ان کا تصفیہ مقصود ہے۔ جے پوری صاحب نہ تو میرے مخاطب خاص ہیں نہ ان کے مضمون کی سطر سطر کی تردید یا گرفت منظور ہے نہ طالب علمانہ بحثوں میں الجھنا مقصود ہے، نہ ان کی نیت پر حملہ ہے۔ صرف طالب حق کے لئے چند اصولی اساسی امور بیان کرنے ہیں، باقی جحود و عناد کا تو کوئی علاج نہیں، والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

باب اوّل

چند اہم اسلامی اُصول

ضروریات دین

❶ دین اسلام کے مہمات عقائد و اعمال یا اصول و فروع کا ایک ذخیرہ جیسے قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے ہم تک پہنچا ہے، اسی طرح اعتقادی و عملی ضروریات دین ہم تک بذریعہ توارث یا تعامل طبقہ بہ طبقہ بھی پہنچتے رہے ہیں۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ دین اسلام اور اس کی کل ضروریات ہم کو اسی توارث کے ذریعہ پہنچی ہیں، لاکھوں کروڑوں مسلمان جن کو نہ تو قرآنی تعلیمات کی پوری خبر ہے نہ احادیث نبوی کا علم ہے لیکن باوجود اس کے وہ دین کی مہمات وضروریات سے واقف رہتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ عوام کا ایمان اجمالی ہوتا ہے۔ تفصیلات کے وہ اس وقت مکلّف ہوتے ہیں جب ان کے علم میں آجائے۔ یہ حق تعالیٰ کا ایک مستقل احسان ہے کہ باوجود اس دینی توارث کے قرآن کریم وحدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں ایک ایسا دستور اساسی بھی دے دیا کہ اگر کسی وقت مدتوں کے بعد اس دینی عملی توارث میں فتور یا قصور آجائے یا لوگ منحرف ہوجائیں تو تجدید واحیاء کے لئے ایک مکمل ”اساسی قانون“ اور علمی ذخیرہ بھی محفوظ رہے۔ تاکہ امم سابقہ کی طرح ضلالت کی نوبت

نہ آئے اور حق تعالیٰ کی حجت پوری ہوجائے اور ظاہر ہے جب کتاب الٰہی خاتم الکتب الالٰہیہ ہو اور نبی کریم خاتم الانبیاء ہوں اور دین خاتم الادیان اور امت خیر الامم ہو تو اس کے لئے یہ تحفظات ضروری تھے اور اسی لئے اس علمی قانون پر عمل کرنے کے لئے عملی نمونوں کی ایک جماعت بھی ہمیشہ موجود رہے گی تاکہ علمی و عملی دونوں طرح حق و باطل کا امتیاز قائم رہ سکے اور پوری طرح تحفظ کیا جائے اور مزید اطمینان یا اتمام حجت کے لئے دونوں باتوں کا صاف صاف نہایت موکد طریقہ پر اعلان بھی کردیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

۱ ﴿إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون﴾ (سورہ حجر آیۃ نمبر۹)

ترجمہ: ”ہم ہی نے قرآن کو اتارا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“

۲ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”لاتزال طائفة من أمتي قائمين على الحق لايضرهم من خالفهم ولا من خذلهم حتى يأتي أمر الله وهم على ذلك“ (بخاری)

ترجمہ: ”یعنی ایک گروہ قیامت تک ہمیشہ کے لئے دین حق پر قائم رہے گا، کسی کے امداد نہ کرنے سے یا مخالفت کرنے سے اس کا کچھ نہ بگڑے گا۔“

اور میرے خیال ناقص میں تو **﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لاتعلمون﴾** (اگر تم نہیں جانتے ہو تو اہل علم سے پوچھتے رہو) میں بھی ایک لطیف اشارہ ہے کہ ہر دور میں کچھ اہل حق ضرور ہوں گے۔

بہرحال اتنی بات واضح ہوئی کہ ”محافظین حق“ اور ”قائمین علی الحق“ کا ایک گروہ قیامت تک ہوگا، جس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مہمات دین کے لئے ضروری علمی اور ذہنی دستور اساسی ہی نہیں بلکہ ایک ”عملی نمونہ“ بھی موجود رہے گا اور اسی طرح توارث اور تعامل کا سلسلہ بدستور جاری رہے گا۔ اگر بالفرض وہ علمی و دفتری قانون دنیا سے مفقود بھی ہوجائے تو حصول مقصود کے لئے اس گروہ کا وجود بھی کافی ہوگا۔

دین اسلام کی بہت سی ضروریات اور قطعیات مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، نکاح، طلاق، خرید وفروخت کی اجازت، شراب خوری، زنا کاری، قتل وقتال کی حرمت وغیرہ وغیرہ بیسیوں باتیں اسی توارث کے ذریعہ سے ہم تک پہنچتی رہی ہیں، بلکہ نماز کی بعض کیفیات اور زکوٰۃ کی بعض تفصیلات نہ تو صریح قرآن سے ثابت ہیں نہ اس بارے میں احادیث اصطلاحی متواتر ہیں، لیکن باوجود اس کے دنیا جانتی ہے کہ وہ سب چیزیں ضروری اور قطعی ہیں اور اس میں کوئی شبہ بھی نہیں۔

نصوص قرآن وحدیث کی حکم کے اعتبار سے اقسام

❷ ادلہ سمعیہ'' یعنی عقائد واحکام کے ثبوت کے لئے قرآن وحدیث کی نصوص چار قسم کی ہوتی ہیں:

(الف) ثبوت ودلالت دونوں قطعی ہوں۔

(ب) ثبوت قطعی ہو دلالت ظنی ہو۔

(ج) دلالت قطعی ہو ثبوت ظنی ہو۔

(د) ثبوت ودلالت دونوں ظنی ہوں۔

ثبوت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے، دلالت کے معنی یہ کہ اس کے کلام کی مراد یہ ہے۔

قرآن واحادیث متواترہ ثبوت کے اعتبار سے دونوں قطعی ہیں۔ البتہ دلالت کے اعتبار سے کبھی قطعیت ہوگی کبھی ظنیت۔

اخبار آحاد میں تیسری چوتھی قسم پائی جاتی ہے۔ مزید تفصیل کے لئے عبدالعزیز بخاری کی کتاب **"کشف الاسرار شرح اصول فخر الاسلام"** اور **"شرح تحریر الاصول"** ابن امیر حاج وغیرہ ملاحظہ ہوں۔

پہلی قسم سے انکار کفر ہے۔ دوسری اور تیسری قسم کے انکار سے کفر تک نوبت نہیں پہنچتی۔

تصدیقِ رسالت کا مطلب

۳ تصدیق رسالت جو بنیادی عقیدہ ہے اس میں تصدیق کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو دل قبول کرے اور تسلیم کرے۔ قرآن میں ﴿وصدق به﴾ اور ﴿ویسلموا تسلیماً﴾ سے یہی مراد ہے۔ صرف کسی شے کا علم میں آجانا جو منطقی و معقول تصدیق ہے، قطعاً کافی نہیں ہے۔ ورنہ صرف معرفت تو بہت سے یہودیوں کو اور ہرقل کو بھی حاصل تھی۔ لیکن مسلمان ہونے کے لئے اور نجات کے لئے اتنی بات کافی نہ ہوئی۔

۴ احادیث متواترہ کا افادۂ قطعیت اہل حق بلکہ امت کا اجماعی مسئلہ ہے۔

تواتر اصطلاحی کی شرط

۵ اصطلاحی تواتر میں ایک شرط یہ ہے کہ ہر دور میں نقل کرنے والے اتنے ہوں کہ غلطی اور شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ نقل کرنے والوں کی کوئی خاص تعداد مقرر نہیں۔ بسا اوقات کسی خاص موقع پر پانچ خاص آدمیوں کی روایت سے یقین حاصل ہوتا ہے جو پچاس دوسروں سے کسی دوسرے موقع پر حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔ اس لئے علماء اصول نے تصریح کردی ہے کہ بیان کرنے والوں یا سننے والوں کے مرتبہ سے فرق پڑجاتا ہے اور کبھی مضمون اور بات کی نوعیت سے بھی تفاوت ہوسکتا ہے۔

(دیکھئے "فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت" ج ۲ ص ۱۱۰ مطبوعہ مصر)

تواتر حدیث کا دارومدار

٦ بعض اصولیین کے نزدیک تواتر حدیث کا مدار راویوں کی کثرت اور طرق و مخارج کی تعداد پر نہیں بلکہ دارومدار "تلقی بالقبول" پر ہے۔ جن احادیث کو قرن اول یعنی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد ہی میں امت نے قبول کرلیا ہے وہی متواتر ہیں۔ اس تعریف

کے پیش نظر متواتر احادیث کی تعداد بہت بڑھ جاتی ہے۔ بعض محققین نے اسی تعریف کو زیادہ پسند کیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عملی اعتبار سے قبولیت عامہ نفس کثرت رواۃ سے کہیں زیادہ مواثر اور قوی ہے۔ اسی کو ہم نے توارث و تعامل سے تعبیر کیا ہے۔ عنقریب اس بات کی تائید دوسری طرح سے بھی ہوجائے گی۔

قرن ثانی وثالث میں ناقلین کی کمی

❼ قرن اول میں ناقلین شرط تواتر پر ہوں اور قرن ثانی وثالث میں کمی آجائے یہ محض عقلی احتمال ہے۔ ذخیرہ حدیث میں اس کی مثال نہیں ملتی بلکہ احادیث کی روایت میں واقعہ یہ ہے کہ یہ راوی بڑھتے گئے اور قرن ثانی وثالث میں "اخبار آحاد" کے راوی بھی اس کثرت کو پہنچ گئے ہیں جو قرن اول میں احادیث متواترہ کے بھی نہیں تھے، جے پوری صاحب کو یہاں بھی بظاہر اشتباہ ہے، اگرچہ آخری جزو کو خود بھی ایک مقام پر تسلیم کر گئے ہیں۔

احادیث متواترہ کی قلت یا معدومیت کا دعوی

❽ احادیث متواترہ کا ذخیرۂ حدیث میں نہ ہونا یا نہایت کم ہونا دونوں دعوے تحقیق اور واقعیت کے خلاف ہیں۔ حافظ ابن حجر وغیرہ محققین اس خیال کی تردید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس قسم کے خیالات کا منشاء احوال رواۃ وکثرت طرق پر قلت اطلاع کے سوا اور کچھ نہیں۔ بلکہ فرماتے ہیں کہ صحاح ستہ میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ حافظ جلال الدین سیوطی نے تو دو مستقل رسالے تصنیف کئے ہیں، جن میں احادیث متواترہ کو جمع کیا ہے:

❶ الأزهار المتناثرة فی الأخبار المتواترة۔ یہ رسالہ چھپ چکا ہے۔

❷ تدریب الراوی صفحہ ۱۹۱۔

(فتح المغیث للعراقی جلد ا صفحہ ۲۷، فتح المغیث للسخاوی صفحہ ۹۵)

صحیح بخاری و مسلم کی ان احادیث کا حکم جو درجہ تواتر کو نہیں پہنچیں

⑨ محدثین میں کبار محدثین کی رائے یہ ہے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی وہ احادیث صحیحہ جو درجہ تواتر کو نہیں بھی پہنچیں وہ بھی قطعی ہیں اور ان سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے۔ استاذ ابومنصور بغدادی، امام ابواسحٰق اسفرائینی، امام الحرمین امام ابوحامد اسفرائینی، قاضی ابوطیب طبری، امام ابواسحٰق شیرازی، شمس الائمہ سرخسی حنفی، قاضی عبدالوہاب مالکی، ابویعلی حنبلی، ابوخطاب حنبلی، ابن فورک، ابن طاہر مقدسی، ابونصر عبدالرحیم شافعی ابن صلاح رحمہم اللہ محققین مذاہب اربعہ کا یہی مذہب ہے بلکہ اکثر اشاعرہ اور عام محدثین کا بھی یہی مسلک ہے اور یہی رائے ہے۔

متاخرین میں سے ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن کثیر، ابن حجر اور سیوطی کا یہی دعویٰ ہے۔ نووی وغیرہ نے جو خلاف کیا ہے حافظ ابن حجر نے اس کو بھی نزاع لفظی بتایا ہے "الافصاح فی المحاکمة بین النووی وابن الصلاح" ابوعلی غانی کی جو اس موضوع پر مستقل کتاب ہے وہ بھی نزاع لفظی ٹھہراتے ہیں، فرماتے ہیں کہ "علم قطعی نظری" کا افادہ سب کے یہاں مسلم ہے۔ امام ابن طاہر مقدسی تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ جو صحیحین کی روایتیں نہیں ہیں لیکن صحیحین کی شرط پر ہوں وہ بھی مفید قطع ہیں۔ مکہ کے کبار تابعین میں سے عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں:

"إن ما اجمعت علیه الأمة أقوی من الإسناد"

ترجمہ: "جس حدیث پر امت کا اتفاق ہو کہ یہ صحیح ہے نفس اسناد کے تواتر سے یہ زیادہ قوی چیز ہے۔"

امام ابواسحٰق اسفرائینی فرماتے ہیں:

"أهل الصنعة مجمعون عن علی أن الأخبار التی اشتمل علیها

الصحيحان مقطوع بصحة أصولها ومتونها فمن خالف حكمه خبراً منها وليس له تأويل سائغ للخبر نقضنا حكمه لأن هذه الأخبار تلقتها الأمة بالقبول" اهـ. (فتح المغيث للسخاوی)

ترجمہ: ''محدثین سب اس پر متفق ہیں کہ بخاری و مسلم کی احادیث سب قطعی ہیں، اگر بغیر صحیح تاویل کوئی ایک حدیث کی بھی مخالفت کرے گا تو اس کے حکم کو ہم توڑیں گے، کیونکہ امت محمدیہ نے ان احادیث کو قبول کرلیا ہے۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

"الاجماع على القول بصحة الخبر أقوى في إفادة العلم من مجرد كثرة الطرق"

ترجمہ: ''کسی حدیث کی صحت پر علماء کا متفق ہونا افادۂ علم (قطعیت) میں کثرت طرق سے زیادہ قوی ہے۔''

متواتر لفظی کی تشریح

(۱۰) متواتر لفظی کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ بعینہٖ ایک ہی لفظ سے وہ احادیث مروی ہوں، بلکہ جس لفظ سے بھی ہوں مضمون ایک ہونا چاہئے اور ایک یا دو محدثین نے جو نفی تواتر حدیث کا دعویٰ کیا تھا یا صرف ایک ہی مثلا بتلائی تھی، بعض محققین کے نزدیک ان کی مراد بھی یہی ہے کہ ایک لفظ سے متواتر کی مثال نہیں ملتی۔ عزیز الوجود ہے گویا ان کے نزدیک بھی احادیث متواتر بہت ہیں۔ لیکن ایک لفظ سے نہیں ہیں۔ صرف حدیث "من كذب علی متعمداً فليتبوأ مقعده من النار" کو ایسا بتلایا گیا ہے۔ اس بناء پر نزاع بھی لفظی ہوجاتا ہے۔

متواتر معنوی کے یہ معنی نہیں کہ لفظ مختلف ہوں اور مضمون سب میں ایک ہو بلکہ یہ معنی ہیں کہ ہر ایک حدیث میں مضمون الگ الگ ہو اور ایک بات قدر مشترک نکل آئے

جیسے احادیث معجزات کہ ہر ایک اگر چہ اخبار آحاد میں سے ہے، لیکن نفس ثبوت معجزہ سب میں قدر مشترک ہے، اسی کو اصطلاح میں تواتر معنوی یا تواتر قدر مشترک کہتے ہیں۔

(ملاحظہ ہو "مسلم الثبوت" اور اس کی شرح "فواتح الرحموت")

اجماع امت اور اس کا حکم

⑪ ادلۂ شرعیہ میں ایک دلیل اجماع امت ہے، اگر اس اجماع کا ثبوت قطعی ہو تو اجماع قطعی ہوگا اور اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔ جیسی دوسری قطعیات شرعیہ کا منکر، بعض عقائد اگر چہ اخبار آحاد سے ثابت ہوں، لیکن ان پر امت کا اجماع ہو جائے، وہ بھی قطعی ہو جاتے ہیں۔ کما فی "التلویح" و "شرح التحریر" (۳۔۱۱۶)

آئندہ غیبی امور کے متعلق علامات قیامت کے بارے میں اگر اجماع ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس بارے میں مخبر صادق سے جو نقل ہے وہ صحیح ہے، ملاحظہ ہو تفصیل کے لئے فواتح الرحموت شرح مسلم (۲۔۲۹۶) شرح تحریر الاصول لابن امیر الحاج (۳۔۱۱۶) حدوث عالم پر اجماع کے معنی بھی یہی ہیں۔ جیسے فتح الباری (۱۲۔۱۷۷) میں تقی الدین ابن دقیق العید سے منقول ہے۔ جے پوری صاحب نے اس بارے میں کسی قدر تلبیس سے کام لیا ہے فلیتنبہ۔

ضروریات دین کی تعریف

⑫ جو چیز قرآن کریم یا احادیث متواترہ سے ثابت ہو یا اجماع امت سے اور دلالت بھی قطعی ہو تو وہ سب ضروریات دین میں داخل ہیں "ضروریات دین" کے معنی یہ ہیں کہ ان کا دین اسلام سے ہونا بالکل بدیہی ہو۔ خواص سے گذر کر عوام تک اس کا علم پہنچ گیا ہو، یہ نہیں کہ ہر عامی کو اس کا علم ہو، کیونکہ بسا اوقات تعلیم دین نہ ہونے سے بعض ضروریات دین کا علم عوام کو نہیں ہوتا۔ لیکن تعلیم کے بعد اور جان لینے کے بعد اس پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے، علماء نے تصریح فرما دی ہے کہ "بعض متواترات شرعیہ کے

جہل سے تو کفر نہیں لازم آتا، لیکن معلوم ہونے کے بعد جحود وانکار سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ (ملاحظہ ہو "جواھر التوحید" کی شرح صفحہ ۵۱، وحاشیہ "الموافقات" للشاطبی ج ۳ ص ۱۵۶ و "اکفار الملحدین" صفحہ ۲)

ضروریات دین کا حکم

⓭ ''ضروریات دین'' کا انکار کرنا یا اس میں خلاف مقصود تاویل کرنا دونوں کو علماء کرام نے موجب کفر بتلایا ہے۔ حجۃ الاسلام غزالی نے اس موضوع میں "**التفرقه بين الاسلام والزندقه**" مستقل کتاب لکھی ہے اور فیصلہ کن بحث فرمائی ہے۔ مدت ہوئی مصر سے چھپ کر آگئی ہے اور غالباً ہندوستان میں بھی طبع ہوئی ہے اور امام العصر محدث وقت حضرت استاذ مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "**اکفار الملحدين في ضروريات الدين**" اس موضوع پر نہایت ہی جامع اور بے مثل کتاب ہے۔

⓮ جو چیز متواتر ہو جائے وہ دین میں ''ضروری'' ہو جاتی ہے۔ کیونکہ متواتر کا افادہ علم ضروری قطعی مسلمات سے ہے۔ پس اگر کسی کو اس کا علم ہو جائے کہ یہ حدیث احادیث متواترہ میں سے ہے یا یہ بات حدیث متواتر سے ثابت ہے تو اس پر ایمان لانا ضروری ہو جاتا ہے، خواہ اس کا تعلق کائنات ماضیہ سے ہو یا مغیبات مستقبلہ سے، خواہ عقائد کے متعلق ہو، خواہ احکام کے بارے میں ہو، تصدیق رسالت کے لئے اس سے چارہ نہیں ورنہ تکذیب رسول کا کفر ہونا کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ بہرحال تصدیق رسول کا ایمان کے لئے ضروری ہونا اور تکذیب سے کفر کا لازم آنا یہ خود دین کی ضروریات میں داخل ہے۔ کتب کلامیہ اور کتب اصول فقہ میں یہ قواعد کلیہ مفصل مل جاتے ہیں، بطور نمونہ ہم اس سمندر سے چند قطرے پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

① "**ومن اعترف بكون شيء من الشرع ثم جحده كان منكراً للشرع وإنكار جزء من الشرع كإنكار كله**" (شرح التحریر ۳۔۱۳)

ترجمہ: ”جو شخص یہ مانے کہ یہ چیز شریعت میں ہے باوجود اس کے اس کا انکار کرے تو یہ کل شریعت کا انکار ہے۔“

❷ ”وصح الإجماع على أن كل من جحد شيئاً صح عندنا بالإجماع أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أتى به فقد كفر أ وجحد شيئا صح عنده بأن النبي صلى الله عليه وسلم قاله فهو كافر“ (الملل لابن حزم ۱۔۲۵ و ۲۵۶)

ترجمہ: ”اس پر اجماع ہے کہ جس چیز کے متعلق یہ اتفاق ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں، اس کا انکار کفر ہے یا یہ جانتا ہو کہ آپ فرما چکے ہیں، باوجود اس کے نہ مانے یہ کفر ہے۔“

❸ ”من أنكر الأخبار المتواتره فى الشريعة مثل حرمة لبس الحرير على الرجال كفر“ (شرح فقه اكبر نقلاً عن المحيط)

ترجمہ: ”کسی شرعی حکم کی حدیث متواتر ہو اور اس سے انکار کیا جائے تو کافر ہوگا۔ جیسی ریشمی لباس مردوں کے لئے۔“

❹ ”فصار منكر المتواتر ومخالفه كافراً“

ترجمہ: ”متواتر کا انکار یا مخالفت دونوں کفر ہیں۔“

(اصول فخر الاسلام بحث السنه)

❺ ”والصحيح أن كل قطعي من الشرع فهو ضروري“

(المحصول للرازی بحواله اكفار الملحدين ص ٦٧)

ترجمہ: ”دین میں جو چیز قطعات کو پہنچ چکی ہو وہ ضروریات دین میں داخل ہے۔“

❻ ”شروط القطع فى النقليات التواتر الضرورى فى النقل والتجلى الضرورى فى المعنى“ (ايضاً ص ٦٩)

ترجمہ: ”شرعی امور جب تواتر سے ثابت ہوں اور معنی بھی واضح ہوں، یہی قطعیت ہے۔“

۷ ”كل مالم يحتمل التأويل فى نفسه وتواتر نقله ولم يتصور أن يقوم برهان على خلافه فمخالفته تكذيب محض“

(التفرقة للغزالى ص ١٤)

ترجمہ: ”جس چیز کی نقل متواتر ہو اور تاویل کی گنجائش نہ ہو اور کوئی دلیل خلاف پر قائم نہ ہو تو ایسی چیز کی مخالفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے۔“

۸ ”بل إنكار المتواتر عدم قبول إطاعة الشارع ...... ورد على الشريعة وإن لم يكذب وهو كفر بواح نفسه“

(شرح الاشباه للحموى ردالمختار، طحطاوى بحواله اكفار الملحدين)

ترجمہ: ”بلکہ حقیقت میں تو متواتر کا انکار شارع علیہ السلام کی عدم اطاعت ہے اور شریعت اسلام کا رد ہے جو خود کھلا ہوا کفر ہے اگرچہ تکذیب نہ کرے۔“

۹ ”ومن أنكر شيئاً من شرائع الإسلام فقد أبطل قول لاإله إلا الله“ (السير الكبير للامام محمد بحواله اكفار الملحدين)

ترجمہ: ”شریعت اسلامیہ کی کسی چیز سے انکار کرنا کلمہ اسلام سے انکار کرنا ہے۔“

۱۰ ”فلا خلاف بين المسلمين أن الرجل لو أظهر إنكار الواجبات الظاهرة المتواترة ونحو ذلك فإنه يستتاب فإن تاب وإلاقتل كافراً مرتداً“ اه. (شرح عقيدهٔ طحاويه مطبوعه حجاز ص٢٤٧)

ترجمہ: ”امت مسلمہ میں کوئی خلاف اس بارے میں نہیں کہ جو کوئی

متواترات سے انکار کرے چاہے اس کا کرنا فرض ہو یا ترک حرام ہو اس سے توبہ نہ کرے تو کافر ہے اور واجب القتل ہے۔"

⑪ "لایکفر أهل القبلة إلافیما فیه إنکار ماعلم مجیءُ بالضرورة أوأجمع علیه کاستحلال المحرمات" (المواقف ومثله فی العضدیه)

ترجمہ: "اہل قبلہ کی اس وقت تک تکفیر نہیں کی جاتی جب تک ضروریات دین کا یا کسی ایسی چیز کا جس پر اجماع منعقد ہو، انکار نہ کرے۔ مثلاً حرام کو حلال سمجھنا۔"

⑫ "وکذلك یقطع بتکفیر من کذب أوأنکر قاعدة من قواعد الشریعة وما عرف یقیناً بالنقل المتواتر من فعل رسول الله صلی الله علیه وسلم"

ترجمہ: "جو شخص تکذیب کرے یا کلیات شریعت میں سے کسی قاعدہ سے انکار کرے یا جو چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر ثابت ہے اس سے انکار کرے اس کی تکفیر قطعی ویقینی ہے۔"

⑬ "وخرق الإجماع القطعی الذی صار من ضروریات الدین کفر" (کلیات أبی البقاء بحواله اکفار الملحدین)

ترجمہ: "قطعی اجماع جو ضروریات دین میں داخل ہے اس کا خلاف کرنا کفر ہے۔"

ضروریات دین کی فہرست

⑭ ضروریات دین کی مثال میں علماء امت اپنی اپنی کتابوں میں دوچار مثالیں ذکر کردیتے ہیں۔ ناظرین کو یہ غلط فہمی ہوجاتی ہے کہ ضروریات دین بس یہی ہیں۔ آگے سلسلہ ختم ہوگیا۔ یہ چیز جے پوری صاحب کو بھی پیش آرہی ہے۔ حالانکہ ان اکابر کا

مقصود محض مثال پیش کرنا ہے، نہ استقصار، نہ حصر، نہ تخصیص، اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے ذیل میں ہم ان مثالوں کو ایک جگہ جمع کردیتے ہیں جو سرسری محنت سے مل سکیں تاکہ اس مختصر فہرست سے خود بخود یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ مقصود تمثیل تھی نہ کہ پوری فہرست، کتب فقہ، اصول فقہ، کتب کلام اصول حدیث میں ذیل کی مثالیں ملتی ہیں:

(۱) اثبات علم الٰہی (۲) قدرت محیط (۳) ارادۂ کاملہ (۴) صفت کلام (۵) قرآن کریم (۶) قِدَم قرآن (۷) قِدَم صفات باری (۸) حدوث عالم (۹) حشر اجساد (۱۰) عذاب قبر (۱۱) جزاء وسزا (۱۲) رؤیت باری قیامت میں (۱۳) شفاعت کبریٰ (۱۴) حوض کوثر (۱۵) وجود ملائکہ (۱۶) وجود کراماً کاتبین (۱۷) ختم نبوت (۱۸) نبوت کا وہبی ہونا (۱۹) مہاجرین وانصار کی اہانت کا عدم جواز (۲۰) اہل بیت کی محبت (۲۱) خلافت شیخین (۲۲) پانچ نمازیں فرض (۲۳) رکعات کی تعداد (۲۴) تعداد سجدات (۲۵) رمضان کے روزے (۲۶) زکوٰۃ (۲۷) مقادیر زکوٰۃ (۲۸) حج (۲۹) وقوف عرفات (۳۰) تعداد طواف (۳۱) جہاد (۳۲) نماز میں استقبال کعبہ (۳۳) جمعہ (۳۴) جماعت (۳۵) اذان (۳۶) عیدین (۳۷) جواز مسح خفین (۳۸) عدم جواز سبّ رسول (۳۹) عدم جواز سبّ شیخین (۴۰) انکار جسم (۴۱) انکار حلول اللہ (۴۲) عدم استحلال محرمات (۴۳) رجم زانی (۴۴) محض حرمت لبس حریر (ریشم پہننا) (۴۵) جواز بیع (۴۶) غسل جنابت (۴۷) تحریم نکاح امہات (۴۸) تحریم نکاح بنات (۴۹) تحریم نکاح ذوی المحارم (۵۰) حرمت خمر (۵۱) حرمت قمار۔

اس وقت یہ اکیاون مثالیں پیش کی گئی ہیں، اب تو خیال مبارک میں آگیا ہوگا کہ بعض وہ امور جس کی طرف التفات بھی نہ ہوگا وہ بھی ضروریات دین میں داخل ہیں۔

ضروریات دین کے لئے ایک کلیہ

اب ہم اس بحث کے آخر میں محقق ہند حضرت عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت کا اقتباس پیش کرتے ہیں۔ پوری عبارت "اکفار الملحدین" میں منقول

ہے۔ اس سے انشاء اللہ یہ بات بالکل بدیہی ہوجائے گی کہ ضروریات دین کے لئے ضابطہ کلیہ کیا ہے اور جو چیزیں بطور تمثیل پیش کی جاتی ہیں، ان کا دائرہ صرف تمثیل ہی کی حد تک محدود ہے، فرماتے ہیں:

”ضروريات الدين منحصرة عندهم فى ثلاثة مدلول الكتاب بشرط أن يكون نصاً صريحاً لايمكن تأويله كتحريم البنات والأمهات ومدلول السنة المتواترة لفظاً أومعنى، سواء كان من الاعتقاديات أومن العمليات وسواء كان فرضاً أونفلاً ...... والمجمع عليه إجماعاً قطعياً كخلافة الصديق والفاروق ونحو ذلك ولا شبهة أن من أنكرأ مثال هذه الأمورلم يصح إيمانه بالكتاب والنبيين“

ترجمہ: ”ضروریات دین تین قسم کی ہیں۔ پہلی قسم یہ کہ تصریح نص قرآنی سے ثابت ہوں، جیسے ماں بیٹی سے نکاح کا حرام ہونا۔ دوسری قسم یہ ہے کہ سنت متواترہ سے ثابت ہوں، تواتر خواہ لفظی ہو، خواہ معنوی، عقائد میں ہو یا اعمال میں ہو، فرض ہو یا نفل ہو۔ تیسری قسم یہ ہے کہ اجماع قطعی سے ثابت ہوں، جیسے صدیق اکبر و فاروق اعظم کی خلافت وغیرہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس قسم کے امور سے اگر انکار کیا جائے تو اس شخص کا ایمان قرآن اور انبیاء پر صحیح نہیں ہے۔“

حضرت کشمیریؒ کے نزدیک ضروریات دین کی تشریح

امام العصر محدث حضرت استاذ مولانا محمد انور شاہ مزید توضیح کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ضروری کے معنی یہ ہیں کہ حضرت رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت ضروری ہو، دین سے ہونا یقینی ہو اور جو بھی اس کا شرعی مرتبہ ہو اسی درجہ کا عقیدہ اس کا

ضروری ہوگا، مثلاً نماز فرض ہے اور فرضیت کا عقیدہ بھی فرض ہے اور اس کا سیکھنا بھی فرض ہے اور انکار کفر ہے، اسی طرح مسواک کرنا سنت ہے اور سنت ہونے کا عقیدہ فرض ہے اور سیکھنا سنت اور انکار کرنا کفر ہے اور عملاً ترک کر دینا باعث عتاب یا عقاب ہے۔

اب امید ہے کہ اس تشریح سے ضروریات دین کی حقیقت واضح ہوگئی ہوگی۔ بات تو بہت لمبی ہوگئی لیکن توقع ہے کہ طالب حق کے لئے نہایت کارآمد ثابت ہوگی اور آج کل جو عام طور سے ایمان وکفر کے قواعد یا مسائل میں عوام کو یا عالم نما جاہلوں کو شبہات و شکوک یا وساوس پیش آرہے ہیں۔ ان کا بھی اس سے تصفیہ ہو جائے گا۔

اس طولانی تمہید کے بعد ان ہی اصول مذکورہ کی روشنی میں ہم نزول مسیح علیہ السلام کے عقیدہ کو پرکھتے ہیں، اگرچہ ہمارا اصلی مقصد تو پورا ہوگیا، اب طالب حق خود ہی ان اصول اسلامیہ اور قواعد مسلمہ کی روشنی میں تفتیش کر کے ضروریات دین کا سراغ بھی لگا سکتے ہیں لیکن تبرعاً چند مختصر گذارشات بھی ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

نزول مسیح علیہ السلام کے تین پہلو ہیں:

۱. قرآنی حیثیت اس کی کیا ہے؟
۲. حدیثی مرتبہ کیا ہے؟
۳. اور اجماع امت کا فیصلہ اس بارے میں کیا ہے؟

تینوں امور واضح ہونے کے بعد خود بخود یہ چیز اظہر من الشمس ہو جائے گی کہ عقیدہ نزول ضروریات دین میں سے ہے یا نہیں۔
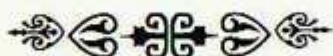
باب دوم

نزولِ مسیح علیہ السلام اور قرآن کریم

نزول مسیح سے متعلق پہلی آیت قرآنی

❶ ﴿وانه لعلم للساعة فلا تمترن بها﴾ (زخرف آیت ۶۱)

ترجمہ: ''اور بے شک وہ نشانی ہے قیامت کی پس نہ شک کرو اس میں۔''

ترجمان القرآن حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ صحابہ میں سے، تابعین میں سے ابو العالیہ، ابو مالک، عکرمہ، حسن، قتادہ، ضحاک، مجاہد وغیرہ سے آیت کریمہ کی صحیح تفسیر یہ منقول ہے کہ ''انہ'' کی ضمیر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے، قرآنی سیاق کا تقاضا بھی یہی ہے اور ''علم'' کے معنی نشانی کے ہیں۔ تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر در منثور میں مجاہد سے مروی ہے:

''قال آية للساعة خروج عيسى ابن مريم قبل يوم القيامة''

ترجمہ: ''فرمایا قیامت کی نشانی ہے حضرت عیسیٰ بن مریم کا قیامت سے پہلے تشریف لانا۔''

حافظ ابن کثیر دعویٰ کرتے ہیں کہ یہی تفسیر صحیح ہے، ظاہر ہے کہ کسی صحابی سے اس کے خلاف تفسیر جب منقول نہیں تو ایسی صورت میں حبر امت او ر بحر امت ترجمان

القرآن ابن عباس کی تفسیر سے زیادہ راجح کون سی تفسیر ہو سکتی ہے۔ اب ترجمہ آیت کریمہ کا یہ ہوا کہ ''یقینی یہ ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی ہے، پس اس میں شک نہ کرو۔'' تفصیل کے لئے تفسیر ابن جریر (۲۵۔۵۴) مطبوعہ میریہ، تفسیر ابن کثیر (۹۔۱۴۶) مطبوعہ میریہ، الدرالمنثور (۶۔۲۰) طبع مصر، "عقیدة الاسلام فی حیات عیسیٰ علیه السلام" (ص۳) ملاحظہ ہو۔

اس لئے عقیدۃ الاسلام (ص ۵) میں حضرت امام العصر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"إذا تواترت الأحاديث بنزوله وتواترت الاٹار وهوالمتبادر من نظم الآية فلايجوز تفسير بغيره" الخ

ترجمہ: ''جب عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی حادیث و آثار متواتر ہیں اور قرآن کریم کی آیت کا واضح مفہوم بھی یہی ہے تو اس کے علاوہ کوئی اور تفسیر صحیح نہ ہوگی۔''

نزول مسیح سے متعلق دوسری آیت قرآنی

❷ ﴿وإن من اهل الكتاب إلا ليومنن به قبل موته ويوم القيامة يكون عليهم شهيداً﴾ (النساء آیت ۱۵۹)

ترجمہ: ''کوئی شخص بھی اہل کتاب میں سے نہ رہے گا۔ مگر وہ عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی موت سے قبل ایمان لائے گا۔''

"موته" کی ضمیر میں نزاع ہے، ابن جریر نے ابن عباس مجاہد، عکرمہ، ابن سیرین، ضحاک وغیرہ کی تفسیر کے مطابق اس کی تصحیح وترجیح فرمائی ہے کہ "موته" کی ضمیر راجع ہے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اور مقصود یہ ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے وقت جتنے اہل کتاب ہوں گے، عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے سب ایمان لے آئیں گے اور اسی قول کو ابن جریر اپنی تفسیر میں "أولى هذه الأقول بالصحة" قرار دیتے ہیں، ابن کثیر

اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"وهذا القول هو الحق كماسنبينه بالدليل القاطع إنشاء الله ......"

ترجمہ: "یہی قول حق ہے، جیسا کہ آگے دلیل قطعی کے ساتھ اس کو بیان کریں گے، انشاء اللہ!"

"ولا شك أن هذا الذى قاله ابن جرير هو الصحيح لأنه المقصود من سياق الآية"

ترجمہ: "لاریب کہ یہ جو کچھ ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرماتے ہیں، یہی صحیح ہے، کیونکہ سیاق آیت سے یہی مقصود ہے۔"

عمدۃ القاری (۷۔۲۵۲) میں اس تفسیر کو اہل العلم کی تفسیر بتلایا ہے۔

بہرحال قرآن کریم کی راجح تفسیر کی بناء پر ان دو آیتوں میں نزول مسیح علیہ السلام کا ذکر ہے۔ ہاں یہ دو آیتیں اس مقصود میں ظاہر الدلالۃ ہیں قطعی الدلالۃ نہیں، لیکن چونکہ احادیث صحیحہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تواتر کو پہنچ گئی ہیں اور تواتر مفید قطعیت ہے، اس حیثیت سے یہ آیتیں مفید قطعیت ہوں گی۔ اگرچہ مقطوع لغیرہ ہوں۔

بہرحال یہ تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ اس موضوع کی تفصیل وتحقیق نکات و لطائف کو دیکھنے کا اگر شوق ہوتو "عقیدۃ الاسلام" اور "تحیۃ الاسلام" کی مراجعت کی جائے جو امام العصر مولانا انور شاہ قدس سرہ کی اس موضوع پر بے نظیر کتابیں ہیں۔

باب سوم

نزولِ مسیح علیہ السلام کے بارے میں تواترِ حدیث

اب رہا دوسرا پہلو حدیثی اعتبار سے تو یہ پہلے ذہن نشین ہونا چاہئے کہ تواتر حدیث یا تواتر احادیث دونوں ایک ہی حقیقت کے دو عنوان ہیں۔ محدثین کی اصطلاح میں اگر ایک ''متن'' مثلاً دس صحابہ سے مروی ہو تو یہ دس حدیثیں کہلائیں گی۔ اگر عدد صحابہ درجہ تواتر کو پہنچ گیا تو یہی حدیث متن کے اعتبار سے حدیث متواتر ہوگی۔ رواۃ اور کثرت طرق کے اعتبار سے احادیث متواترہ کی تعبیر زیادہ انسب ہوگی۔ بظاہر جے پوری صاحب اس سے بھی غافل ہیں۔

اب سنئے! اگر کسی حدیث کے رواۃ اور طرق بحث و تفتیش کے بعد درجہ تواتر کو پہنچ گئے ہیں تو ہر محدث کو اس حدیث کے متواتر کہنے کا حق حاصل ہوگا اگرچہ امت میں سے کسی نے تصریح نہ کی ہو، بلکہ ہوسکتا ہے کہ محدث نے بغیر بحث و تحقیق کے کسی حدیث کے متعلق فرما دیا ہو کہ یہ خبر واحد ہے، بعد میں تتبع طرق اور کثرۃ رواۃ سے کسی کو معلوم ہو کہ متواتر ہے تو وہ متواتر اور مفید للعلم القطعی ہوگی۔

علم حدیث میں محدثین کا قول معتبر ہے

نیز یہ معلوم رہے کہ ہر فن کا مسئلہ اس فن والوں سے لیا جاتا ہے۔ کسی حدیث کی تصحیح

یا تحسین یا تضعیف یا خبر واحد یا مشہور و متواتر ہونے کے لئے محدث کی شہادت پیش کی جائے گی۔ صرف فقیہ کا یہ منصب نہیں اور نہ صرف متکلم اور معقولی کا یہ وظیفہ ہے، ایک موقع پر (جے پور) صاحب نے نزول مسیح کی احادیث کو "اخبار آحاد" کہنے کے لئے تفتازانی کی عبارت پیش فرمائی ہے، یہ فن تفتازانی کا نہیں، وہ معانی و بیان یا منطق وکلام میں ہزار درجہ محقق ہوں تو ہوں، حدیث ان کا فن نہیں ہے، یہاں تو غزالی امام الحرمین رازی آمدی جیسے اکابر کے اقوال بھی قابل اعتبار نہیں، چہ جائیکہ تفتازانی؟ ایسے موقع پر تو مغلطائی ماردینی، مزی، ذہبی، ابن حجر، عینی، ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن کثیر وغیرہ وغیرہ محدثین امت اور حفاظ حدیث کی شہادت مقبول ہوسکتی ہے۔

سید جرجانی اور تفتازانی کی احادیث دانی جاننے کے لئے یہ واقعہ کافی ہے کہ چھ ماہ تک "حب الهرة من الايمان" میں مناظرہ کرتے رہے کہ یہ حدیث ہے اور من ابتدائیہ ہے یا تبعیضہ؟ بے چاروں کو اتنی بھی خبر نہیں ہوئی کہ حدیث "موضوع" ہے۔

حدیثِ نزولِ مسیح کے راوی

خیر! اس بحث کو رہنے دیجئے، احادیث "نزول مسیح" صحاح کی حدیثیں ہیں اور صحاح ہی میں عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، حذیفہ، ابن اسید، ابوامامہ باہلی، جابر بن عبداللہ، نواس بن سمعان رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ ان میں سے ابوہریرہ، جابر، حذیفہ، ابن عمر رضی اللہ عنہم کی حدیثیں تو صحیحین کی ہیں، اگر اس بات میں صرف شیخین ہی کی حدیثیں ہوتیں تو نمبر (۹) کے مطابق محققین اہل حدیث و کبار محدثین کے نزدیک ان کے افادۂ یقین میں ذرا بھی شبہ نہیں اور صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، مسند احمد، سنن اربعہ وغیرہ کی حدیثیں ملا کر مرفوعات کی تعداد ستر تک پہنچ جاتی ہیں، کیا ستر کبار صحابہ جن کی فضیلت میں وحی متلو نازل ہوئی اور روئے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے بعد صدق شعار قوم ان سے زیادہ نہیں گذری، اگر لسان نبوت سے ان کی حکایت مفید للعلم نہیں

ہوگی تو کس کی ہوگی؟ اگر ہمیں کسی کے صلاح وتقوے اور صداقت کا یقین ہو اور بیس بائیس ایسے آدمی آکر ہم سے کوئی بات بیان کریں تو انصاف سے بتایا جائے کہ ہمارے لئے مفید للعلم الیقینی ہوگی یا نہیں؟ حالانکہ ایک صحابی ایک ہزار راویوں پر بھاری ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ساری امت پر بھاری ہے تو شاید مستبعد نہ ہوگا، پھر ان ستر صحابہ کی مرفوع احادیث کے علاوہ تقریباً تیس صحابہ وتابعین سے آثار موقوفہ بھی مروی ہیں اور محدثین کا یہ فیصلہ ہے کہ غیر قیاسی وغیر عقلی امور میں موقوف روایت بھی مرفوع کے حکم میں ہے، گویا سو مرفوع روایتیں باسانید صحیحہ وحسنہ جمع ہوگئی ہیں۔ کیا کوئی بتلاسکتا ہے کہ جن محدثین نے جن احادیث کے متعلق تواتر اصطلاحی کا دعویٰ کیا ہے وہ کثرت رواۃ و کثرت طرق اور کثرت مخارج میں اس کا مقابلہ کرسکتی ہیں؟ حدیث "من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار" جو سب سے اعلیٰ ترین متواتر حدیث کی نظیر پیش کی گئی ہے اس کے رواۃ بھی تقریباً سو ہی تک پہنچتے ہیں، حالانکہ مشکل ہے کہ سو کی سو روایتوں کے تمام رجال صحیح یا حسن تک پہنچیں، حدیث "مسح خفین" باتفاق محدثین حدیث متواتر ہے، کتب اصول فقہ وکتب فقہ وشروح حدیث میں متعدد مواضع میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ مشہور قول نقل چلا آتا ہے:

"ماقلت بالمسح على الخفين إلا إذا جاء نى مثل ضوء النهار وإنى أخاف الكفر على من لم ير المسح على الخفين"

ترجمہ: "میں مسح خفین کا اس وقت قائل ہوا جب کہ دن کی روشنی کی طرح یہ مسئلہ میرے سامنے واضح ہوگیا اور جو شخص مسح خفین کا قائل نہیں مجھے اس کے حق میں کفر کا اندیشہ ہے۔"

تو "مسح خفین" کے انکار سے کفر کا اندیشہ ہے اور تاریخ خطیب بغدادی میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے ان کا مسلک پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

"أفضل الشيخين وأحب الختنين وأرى المسح على الخفين"

ترجمہ: ''میں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہ کو سب (صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے افضل سمجھتا ہوں۔ عثمان وعلی رضی اللہ عنہم سے محبت رکھتا ہوں۔ مسح خفین کا قائل ہوں۔''

گویا سنی ہونے کے لئے مسح خفین کے ماننے کو ضروری معیار قرار دیا ہے۔ بالفاظ دیگر جواب کا خلاصہ یہ نکلا کہ میں نہ شیعی ہوں، نہ خارجی ہوں بلکہ سنی ہوں تو اس لئے امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسح علی الخفین کی احادیث متواتر ہیں اور مفید للعلم القطعی ہیں۔ حالانکہ غسل رجلین قرآن کریم کا قطعی حکم ہے اور احادیث غسل رجلین بھی متواترہ ہیں۔ دو قطعی دلیلوں سے فرضیت غسل رجلین ثابت ہو چکی تھی، پھر بھی جمہور امت کے نزدیک مسح علی الخفین کا جواز یقینی ہے اور اس قطعی دلیل سے کتاب اللہ اور احادیث متواترہ غسل پر زیادتی صحیح ہوگئی۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ احادیث مسح علی الخفین بتصریح امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ مرفوع حدیثیں کل چالیس ہیں، حالانکہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے بعض اکابر کا خلاف بھی منقول ہے۔ پھر یہ بھی مشکل ہے کہ یہ چالیس حدیثیں سب کی سب صحیح یا حسن ہوں۔ اس کے باوجود اتنی مقدار تواتر قطعی کے لئے کافی ہوئی۔

ذخیرۂ احادیث میں متواتر اصطلاحی کی چند مثالیں

احادیث ''غسل رجلین'' کو متواتر اصطلاحی کہا گیا ہے۔ حالانکہ بمشکل اکتیس حدیثیں منقول ہیں۔ احادیث ''معراج جسمانی'' کو متواتر اصطلاحی کہا گیا ہے حالانکہ کل رواۃ بیس تک پہنچتے ہیں۔ احادیث ''حوض کوثر'' کو متواتر اصطلاحی کہا گیا ہے۔ حالانکہ کل احادیث پچاس تک پہنچتی ہیں۔ احادیث ''رفع یدین عند التحریمہ'' کو متواتر اصطلاحی کہا گیا ہے، حالانکہ کل حدیثیں بمشکل پچاس تک پہنچیں گی۔

حدیث ''من بنیٰ مسجداًللّٰہ الخ'' متواتر ہے باوجودیکہ صحابہ روایت کرنے

والے بیس سے متجاوز نہیں، ایسے ہی حدیث ''شفاعت''، حدیث ''عذاب قبر''، حدیث ''سوال منکر نکیر''، حدیث "المرء مع من أحب" حدیث "کل میسر لما خلق له" حدیث "بدأالإسلام غریباً" وغیرہ وغیرہ ان سب حدیثوں کو اصطلاحی تواتر کے اعتبار سے متواتر کہا گیا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ نے تو کئی رسائل میں احادیث شفاعت، حوض کوثر، عذاب قبر کو سنت متواترہ سے تعبیر کیا ہے باوجودیکہ ان کے رواۃ وطرق احادیث نزول مسیح کو نہیں پہنچتے۔

متواتر اصطلاحی

اب نہیں معلوم جے پوری صاحب کے یہاں وہ کونسی شرط ہے جو حدیث متواتر اصطلاحی کے لئے موجود ہونی چاہئے، محدثین نے جن متواتر حدیثوں کو جمع کیا ہے وہ سب اصطلاحی متواترات ہیں نہ کہ لغوی، نہ معلوم جے پوری صاحب کو تواتر کے لفظ سے کیوں چڑ ہے کہ جہاں "تواترت الأخبار" کا لفظ دیکھ لیا، فرمانے لگے:

''یہ تواتر لغوی ہے، مراد کثرت ہے''

نہ معلوم یہ ''ججی'' کا منصب آپ کو کس نے دیا ہے، ہاں یہ صحیح ہے کہ بعض مواقع پر لغوی تواتر مراد ہوتا ہے، لیکن خارجی قرائن اور بحث وتحقیق سے یہ فیصلہ ہوجاتا ہے کہ یہ تواتر اصطلاحی ہے یا لغوی، جن کا یہ فن ہے اور شب وروز اس کی مزاولت کرتے ہیں اور حدیث ان کی صفت نفس بن گئی ہے، وہ ہی اپنی بصیرت سے اس کا فیصلہ کرتے ہیں، ہر عمرو وزید کا یہ منصب نہیں، اب سوچئے کہ صحابہ میں سے احادیث نزول کو اتنے روایت کرنے والے اور صحابہ سے نقل کرنے والے یقیناً اس سے کہیں زائد ہیں اور کم سے کم اتنے تو ضرور ہیں اور باتفاق امت رواۃ بڑھتے ہی گئے کم نہیں ہوئے، اسی وجہ سے متواترات کی مشہور احادیث کی تعداد بھی بڑھ گئی کہ قرن ثانی میں نقل کرنے والے بڑھ جاتے ہیں اور قرن ثالث میں تو اخبار آحاد بھی مشہور ومتواتر کی کثرت طرق اور کثرت

رواۃ کو پہنچ جاتی ہیں جو جے پوری صاحب کو خود بھی تسلیم ہے۔ اب ایسی صورت میں اگر کوئی محدث بھی تصریح نہ کرتا کہ یہ حدیث متواتر ہے، جب بھی کوئی مضائقہ نہ تھا۔

محدثین کے ہاں حدیث نزول مسیح کا مقام

لیکن باوجود اس کے جب حافظ ابن کثیر ان کو "اخبار متواترہ" سے تعبیر کرتے ہیں، حافظ جلال الدین سیوطی ان کو "متواتر" کہتے ہیں، قدماء محدثین میں سے "ابوالحسن السجزی الآبری" اس کو متواتر مانتے ہیں اور خارجی بحث و تحقیق سے بھی یہ بات ثبوت کو پہنچ چکی تو خدارا انصاف کیجئے کہ ایسی صورت میں کیا کسی کو یہ حق حاصل ہے کہ بے دلیل محض اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے یہ کہے کہ تواتر سے لغوی تواتر مراد ہے۔

ابوالحسن آبری قدماء محدثین میں سے ہیں۔ ابن خزیمہ صاحب الصحیح سے روایت کرتے ہیں۔ ۳۶۳ھ میں وفات پا چکے ہیں۔ ان کا قول حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری (۶۔۳۵۸) مطبوعہ میریہ میں یوں نقل کیا ہے:

"وقال ابو الحسن الخسعي الآبری".

یہ ناسخین کی تصحیف ہے۔ صحیح السجزی الآبری ہے، بجستانی کی نسبت غیر قیاسی سجزی آیا کرتی ہے۔ "کمافی القاموس" "السجستی نہیں آتی، جیسا جے پوری صاحب فرماتے ہیں۔

"فی مناقب الشافعی رحمه الله تعالیٰ وتواتر الأخبار بأن المهدی من هذه الأمة وأن عيسىٰ يصلی خلفه الخ".

ترجمہ: "مناقب شافعی میں ہے کہ اس مضمون کی احادیث متواتر ہیں کہ مہدی اس امت سے ہوں اور عیسیٰ علیہ السلام ان کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے۔"

اصل غرض اس عبارت سے چاہے ابن ماجہ والی حدیث کا رد ہی ہو جس میں "ولا مهدی إلا عيسی" آیا ہے، لیکن اس سے تین باتیں نکل آئیں:

(الف) احادیث نزول مہدی متواتر ہیں۔
(ب) احادیث نزول مسیح متواتر ہیں۔
(ج) مہدی کا عیسیٰ علیہ السلام کے لئے امام ہونا متواتر ہے۔

لیجئے بجائے ایک دعویٰ کے اب تین دعوے ہوگئے۔ جے پوری صاحب کا یہ فرمانا کہ لازم آتا ہے غرض یہ تو نہ تھی، بالکل بے معنی بات ہے۔ کیونکہ لازم بین ہے لزوم صریح ہے اور قائل کا غیر مراد نہیں بلکہ یہ مراد بالاولیٰ ہے اور اس کا التزام ہے تو کیا یہ لازم ہونا ان کے خلاف مقصود ہے، کیا ''دلالۃ النص'' اور ''دلالۃ بالاولیٰ'' یا ''ظاہر النص'' کی بحث اصول فقہ میں محض بیکار ہے۔ حقیقت میں خروج مہدی، نزول مسیح، خروج دجال، تینوں متشاکل و متقارب امور ہیں اور شرعی حیثیت میں تقریباً ان تینوں میں تلازم ہے، اس لئے اکثر احادیث میں تینوں کا ذکر ساتھ ساتھ آتا ہے، ''فرحم الله من أنصف''، اب صرف ایک دو محدثوں کا ضعیف قول کہ متواتر عزیز الوجود کیسے قابل وثوق ہوسکتا ہے کیا مثبت کا قول راجح ہے یا نافی کا؟ اکثریت کس طرف اور اقلیت کس طرف ہے؟ خارجی ثبوت کس کی شہادت دیتا ہے، اثبات متواترات کی یا نفی کی؟ اور کثرت کی یا قلت کی؟ کیا کسی نے ان کے قول کو قبول بھی کیا، احادیث کا ذخیرہ متواترات سے بھرا پڑا ہے۔ اگر کسی کو نظر نہ آئے تو اس کا کیا علاج؟

بہرحال حدیثی ابحاث میں ں ں یا محض عقلی احتمالات سے کام نہیں چلتا، نہ اس قسم کے وساوس سے خدا کے ہاں نجات ہوسکتی ہے۔ محدثین میں سے جن محدثین نے یہ فرمایا تھا کہ متواتر حدیث قلیل الوجود ہیں، وہ یہ بھی تو فرماتے ہیں کہ بخاری و مسلم کی اخبار آحاد بھی مفید للعلم الیقینی ہیں تو ان کے یہاں تو ''ضرورت دین'' کے لئے صحیحین کی اخبار آحاد بھی کافی ہیں، آپ بتلائیے کہ آپ کے نزدیک قرآن کریم کے سوا ''ضروریات دین'' کے لئے کیا ثبوت رہ جاتا ہے؟ کیا اس کے یہ معنی نہیں کہ قرآن کے بغیر کوئی بھی عقیدہ ثابت نہیں ہوسکتا، کیونکہ قطعیت کے لئے سوائے قرآن کے متواتر حدیث ہونی چاہئے

اور وہ ہے نہیں؟ اللہ اللہ کیسے کام ہلکا ہوگیا، یہی تو فرقہ اہل قرآن والے کہتے چلے آئے ہیں اور تقریباً کل منکرین حدیث کا منشاء بھی یہی نکلتا ہے۔ بہرحال بقیہ ضروریات دین کے لئے یا تو صحیحین کی اخبار آحاد کو مفید للعلم مان کران کو قطعی ماننا ہوگا یا احادیث متواترہ کو تسلیم کر کے ان ''ضروریات دین'' پر ایمان لانا ہوگا، تیسرا قول کہ نہ تو احادیث صحیحین مفید قطعیت ہیں اور نہ کوئی حدیث متواتر موجود ہے جو مفید قطعیت ہو، مرکب باطل ہے، اللہ تعالیٰ فہم وانصاف عطا فرمائے۔ یہی تو وہ پرانا فتنہ ہے جو جہمیہ کی میراث رہ گئی ہے۔ گویا آج کل اس فتنہ کی تجدید ہورہی ہے۔ کیونکہ ''عقائد قطعیہ'' کے لئے ان دلائل کی ضرورت ہوگی جن کا مفید علم ہونا قطعی طور پر مسلم ہو اور وہ صرف قرآن کریم کی وہ نصوص ہوں گی جو قطعی الدلالۃ ہوں یا حدیث متواتر قطعی الدلالۃ ہو اور وہ ہے نہیں، یہی تو حمدان قرمطی اور ان کے اتباع ''قرامطہ'' کا مسلک ہے، اب بتلائیے کہ بات کہاں سے کہاں تک پہنچ جائے گی؟

پس خلاصہ یہ ہوا کہ احادیث نزول مسیح صحیحین کی حدیثیں ہیں، محققین محدثین اور اکثر اشاعرہ کے مذہب کے موافق تو افادۂ علم ویقین کے لئے یہ بھی کافی ہے اور اگر مدار تواتر پر بھی ہو تو قرن اول میں ان احادیث کی تلقی بالقبول ہوچکی ہے تو یہ چیز بھی ان احادیث میں موجود ہے، اگر خواہ مخواہ اسی کی ضد ہے کہ تواتر اصطلاحی کی مشہور تعریف کی بناء پر متواتر احادیث چاہئیں تو لیجئے گزشتہ تحقیق وتفصیل سے یہ بات بھی بحمداللہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ احادیث نزول مسیح اصطلاحی تواتر سے متواتر ہیں اور متواتر بھی قطعی الدلالۃ ہیں۔ احادیث متواترہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہونے کے بعد عقیدہ نزول مسیح کی فرضیت وقطعیت میں کیا شبہ رہ جاتا ہے اور جحود وانکار کا جو نتیجہ ہے وہ بھی ظاہر ہے، یقین واذعان کی ان مختلف جہات اور حیثیات کے بعد اس کے ضروریات دین ہونے میں کوئی شبہ باقی رہتا ہے؟ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

بابِ چہارم

نزولِ مسیح علیہ السلام اور اجماعِ اُمّت

نمبر (۱۳) میں یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ مستقبل میں جن امور کے متعلق امت کا اجماع ہوتا ہے اس کی حیثیت کیا ہے؟ کیونکہ امت کو تو غیب کا علم نہیں، وہ تو علام الغیوب ہی کا خاصہ ہے، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ فجر صادق سے جو کچھ منقول ہے اس پر امت کا اتفاق ہے اگر وہ نقل بذریعہ آحاد ہو، جب بھی اجماع کے بعد قطعی و یقینی ہوجاتی ہے۔ اب غور کیجئے کہ کتب حدیث میں جو امہات واصول ہیں، مثلاً بخاری، مسلم، سنن نسائی، سنن ابی داؤد، ترمذی، ابن ماجہ سے لے کر مستدرک حاکم و سنن کبریٰ بیہقی تک بیسیوں کتابوں میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کے مستقل ابواب موجود ہیں، سب ہی نزول کی احادیث روایت کرتے ہیں اور نفس نزول میں اسنادی اعتبار سے کوئی علت قادحہ نہیں بیان کرتے۔

پھر ان ہی کتب حدیث و کتب تفسیر میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے پھر تابعین سے اور تابعین بھی مختلف بلاد کے، مدینہ، مکہ، بصرہ، کوفہ، شام وغیرہ کے سب سے نزول مسیح کے بارے میں نقول موجود ہیں۔ پھر کسی صحابی، کسی تابعی سے نہیں بلکہ کسی امام دین، کسی محدث، کسی مصنف سے بھی اس کا خلاف کسی کتاب میں کسی دور میں، کہیں بھی کوئی حرف نقل نہیں ہوا، کیا یہ اس کی دلیل نہیں کہ یہ بات اور یہ عقیدہ بالکل اجماعی و اتفاقی ہے۔

کتب عقائد میں نزول مسیح کا ذکر

پھر کتب عقائد میں جو مستند ترین اور اعلیٰ ترین کتب عقیدہ ہیں ان سب میں اس کا ذکر عقیدہ کی صورت میں موجود ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہوگی؟

اس وقت ہم ذیل میں دو اہم ترین مأخذ پیش کرتے ہیں:

۱ عقیدہ طحاویہ: جو امام ابوحنیفہؒ، ابویوسفؒ، محمدؒ وغیرہ ائمہ حنفیہ کے عقائد میں موثوق ترین چیز ہے، اس کی عبارت ملاحظہ ہو:

"ونؤمن بأشراط الساعة من خروج الدجال ونزول عيسى ابن مريم عليه السلام من السماء"

ترجمہ: ''خروج دجال اور آسمان سے نزول عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ علامات قیامت پر ہمارا ایمان ہے۔''

۲ فقہ اکبر: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی مشہور ترین متداول کتاب ہے، ابومطیع بلخی کی روایت سے منقول ہے۔ امام ابومنصور ماتریدی جو ماتریدیہ کے امام الطائفہ ہیں، وہ اس کتاب کے پہلے شارح ہیں۔ اس فقہ اکبر کی عبارت یہ ہے:

"ونزول عيسىٰ عليه السلام من السماء وسائر علامات القيامة على ما وردت به الأحاديث الصحيحه حق كائن" اھ.

ترجمہ: ''آسمان سے عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا اور اس کے علاوہ علامات قیامت جو صحیح احادیث میں مذکور ہیں بالکل حق ہیں۔''

ان عبارتوں میں جس طرح تصریح کی گئی ہے اس سے بڑھ کر عقیدہ ہونے کی کیا تصریح ہوگی؟ کیا اس قسم کی تصریحات کے بعد کسی مصنف کے لئے کوئی شبہ باقی رہتا ہے؟ کیا اس عقیدہ کے اتفاقی ہونے کے لئے مزید کسی دلیل کی ضرورت باقی رہتی ہے؟ یہ عقائد تو وہ ہیں جو بذریعہ توارث امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچ چکے ہیں۔

علماء متقدمین ومتاخرین میں نزول مسیح پر اجماع

اب اجماع کی بھی دو تصریحی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں، تاکہ بیان سابق کی تصدیق وتائید میں کسی طالب حق کے لئے کوئی خلجان باقی نہ رہے۔

امام ابواسحاق کلاآبادی بخاری جو قرن رابع کے اکابر حفاظ محدثین سے ہیں اور اپنی اسناد سے روایت حدیث کرتے ہیں اپنی کتاب ''معانی الأخبار'' میں فرماتے ہیں:

''قد أجمع اهل الأثر وكثير من أهل النظر على أن عيسىٰ عليه السلام ينزل من السماء فيقتل الدجال ويكسر الصليب'' اھ

(تحیۃ الإسلام صفحہ ۱۳۵)

ترجمہ: ''کل محدثین اور بہت سے متکلمین کا اس پر اجماع ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔ دجال کو قتل کریں گے اور صلیب کو توڑ دیں گے۔''

یہ خیال رہے کہ محدثین کا دور متکلمین سے پہلے شروع ہوتا ہے اور اس مسئلہ پر محدثین کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ بعد میں اگر متکلمین کے عہد میں خلاف بھی ہو گیا ہو تو اجماع سابق کو مضر نہیں، نہ یہ خلاف اتفاق ہونے کے بعد قابل اعتبار ہے، جس کی تحقیق کتب اصول فقہ میں موجود ہے۔ نیز بظاہر یہ خلاف جو بعض متکلمین کی طرف منسوب ہے، صحیح نہیں، جیسا کہ آئندہ سفارینی کی عبارت سے واضح ہے۔

بہرحال یہ تو ہوئی نقل اجماع کے بارے میں قدماء محدثین کی تصریح۔ اب متاخرین اہلحدیث میں سے امام شمس الدین محمد بن احمد حنبلی سفارینی نابلسی کی عبارت ملاحظہ ہو:

''وأما الإجماع فقد اجتمعت الأمة على نزوله ولم يخالف فيه أحد من أهل الشريعة وإنما أنكر ذلك الفلاسفة والملاحدة مما

لایعتد بخلافه وقد انعقد إجماع الأمة على أنه ينزل ويحكم بهذه الشريعة المحمدية" اھ (شرح عقیدہ سفارینی صفحہ۹۰ ج۲)

ترجمہ: ''رہا نزول عیسیٰ علیہ السلام میں اجماع تو امت محمدیہ کے کل اہل شرع کا ان کے نزول پر اجماع ہے کہ وہ نازل ہوں گے اور شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کریں گے۔ بجز فلاسفہ اور ملاحدہ کے کسی نے خلاف نہیں کیا اور ان کا خلاف قابل اعتبار نہیں۔''

سفارینی مذکور بارہویں صدی کے اکابر محدثین میں ہیں۔ حنبلی المذہب ہیں نابلس کے ایک گاؤں سفارین کے باشندے ہیں، نام محمد بن احمد، شمس الدین لقب، ابوالعون کنیت ہے۔ بیسیوں کتابوں کے مصنف ہیں۔

"سلك الدرفي أعيان القرن الثاني عشر" "السحب الوابلة على ضرائح الحنابلة" وغیرہ میں ان کا مفصل ترجمہ اور حالات مذکورہ ہیں، "سلك الدرر" میں ان کو "الشيخ الامام العلام الحبر البحر النحرير" وغیرہ جلیل القدر القاب سے ذکر کیا ہے اور بہت سے مفاخر و مآثر لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:

"وبالجمله فقد كان غرة عصره وشامة مصره لم يظهرفي بلده بعد مثله الخ".

صاحب الضرائح لکھتے ہیں:

"شمس الدين العلامة المسند الحافظ المتقن، وبالجمله فتأليفه نافعة مفيدة مقبولة سارت به الركبان وانتشرت فى البدان كان إماما متقناً جليل القدر زينة أهل عصره ونقاوة أهل مصره الخ"

سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی صاحب "تاج العروس شرح القاموس" اور صاحب "إتحاف السادة المتقين بشرح إحياء علوم الدين" حدیث میں ان کے تلمیذ ہیں۔ اب تو جے پوری صاحب نے سفارینی کو پہچان لیا ہوگا کہ وہ کون ہیں اور کس پایہ

کے ہیں۔ سفارینی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ کل محدثین اور سب متکلمین ماتریدیہ، اشاعرہ معتزلہ سب کے سب کا نزول مسیح علیہ السلام پر اجماع ہے، صرف ملحدین و فلاسفہ ان کے منکر ہیں۔

اجماع ناطق وسکوتی

نیز اس قسم کے مواضع میں جب اجماع کا اس طرح ذکر کیا جاتا ہے، اس سے اجماع ناطق ہی مراد ہوتا ہے۔ اجماع سکوتی کو کبھی بھی اس طرح تعبیر نہیں کرتے، جے پوری صاحب کو جیسے تواتر کے لفظ سے چڑ ہے، ایسے ہی اجماع کے لفظ سے بھی ضد ہے۔ جہاں اجماع کا لفظ دیکھا جھٹ فرمائیں گے کہ یہ کوئی سکوتی اجماع ہوگا، محض اپنی ضد کو پورا کرنے کے لئے بے انصافی کر کے بے دلیل ایسی بات کہنا کسی عالم کا شعار نہیں جب تک کوئی صریح دلیل اس کے خلاف قائم نہ ہو۔ اجماع سے یہی اجماع صریح اجماع ناطق مراد ہوگا۔ اگر اس کو ان پر اصرار ہے کہ یہ اجماع سکوتی ہے تو لائیں کوئی دلیل پیش کریں! هاتوا برهانكم إن كنتم صادقين۔

نیز واضح رہے کہ تالیفی دور کے بعد اجماع کا نقل انہی تالیفات کے ذریعہ سے ہوتا ہے، جتنے مسائل اصول کے ہوں یا فروع کے جن میں اجماع نقل کیا جاتا ہے، اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے، آج تک تالیفی دور میں کل ارباب تالیف کا سلف میں بھی اور خلف میں بھی یہی معمول چلا آ رہا ہے۔ یہ کبھی نہ ہوا اور نہ ہوسکتا ہے کہ چودھویں صدی میں کسی زید وعمرو کو اسنادی اجماع پہنچ گیا ہو، اس قسم کے خیالات محض طفلانہ ہیں، اگر بات لمبی نہ ہوتی تو ہم یہاں پر ان کے نظائر پیش کرتے کہ جن امور میں اجماع نقل ہوا ہے اور امت کے نزدیک اجماع سے وہ درجہ قطعیت کو پہنچ گئے ہیں ان میں بھی اس سے زیادہ اجماع کا ثبوت نہیں کہ فلاں کتاب میں فلاں شخص نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور ناقل ثقہ ہے۔ اب تک امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تالیفات میں اس عملی امانت کو اچھے طریقے

سے ادا کر دیا ہے۔ اب آگے اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں۔

خلاصہ بحث

اس طویل بحث کا خلاصہ حسب ذیل امور میں پیش کیا جاتا ہے:

❶ نزول مسیح علیہ السلام کا عقیدہ امت محمدیہ میں قرن بہ قرن طبقہ بہ طبقہ متوارث چلا آرہا ہے اور اس کو تواتر طبقی حاصل ہے، قطعیت کے لئے یہ توارث خود بخود مستقل دلیل ہے، جس کی تفصیل نمبر (۱) میں گذر چکی ہے۔

❷ باوجود اس توارث کے قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔ اکثر اہل علم اور صحابہ وتابعین کی تفسیر کی بناء پر نزول مسیح علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔

❸ نزول مسیح کی احادیث باتفاق امت صحیح ہے اور باتفاق امت ان کی تلقی بالقبول ہوچکی ہے اور بہ تصریح حفاظ حدیث وہ اصطلاحی متواتر ہیں اور خارجی بحث وتحقیق سے بھی ان تینوں باتوں کی قطعیت میں کوئی شبہ نہیں۔

❹ نزول مسیح کے بارے میں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجماع بھی منعقد ہوچکا ہے۔ قدماء محدثین اور متاخرین اس اجماع کو نقل کرتے ہیں اور آج تک کسی کتاب میں کسی اہل حق میں سے انکار یا خلاف منقول نہیں۔

❺ غرض یہ کہ عقیدہ نزول مسیح مختلف جہات مختلف اعتبارات سے قطعی ہے اور ضروریات دین میں داخل ہے اور معلوم ہونے کے بعد صرف باطنی زیغ یا قلبی وساوس یا عقلی استبعاد کی بناء پر انکار کرنا اور انکار کے لئے حیلے تلاش کرنا اور چارہ جوئی کرنا مؤمن قانت کا شیوہ نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ضروریات دین کا اہم ترین جز ہے۔ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بات فرما چکے ہوں اور قطعی ذرائع سے ہم تک پہنچ جائے پھر اس کا ضروریات دین میں داخل نہ ہونا ایمان کا جز نہ بننا بالکل غلط و متناقض دعویٰ ہے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے۔ اگر تصدیق رسول

ضروریات دین میں داخل ہے تو کوئی راستہ ماننے کے سوا نہیں، اس کی کیفیت سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اگر فرشتہ آسمان سے اتر سکتا ہے اور بصورت دحیہ کلبی متمثل ہو سکتا ہے تو ایک نبی کا آسمان پر چلا جانا اس میں کونسا عقلی استبعاد ہے۔ ﴿فتمثل لها بشراً سوياً﴾ ﴿لقد جاء ت رسلنا إبراهيم بالبشرىٰ﴾ وغیرہ آیات قرآنیہ میں بشکل انسانی فرشتہ کا متمثل ہونا بالکل منصوص ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی روحانیت ان کی قوت قدسیہ کی وجہ سے بھی غالب ہوتی ہے۔ اس لئے ان کے اجساد مبارکہ پر روحانی کیفیات باآسانی طاری ہو سکتی ہیں۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی اور جسد عنصری کا عروج بنص قرآن مکہ سے بیت المقدس تک ثابت نہیں؟ اور آگے آسمانوں پر صعود وعروج احادیث متواترہ سے ثابت نہیں؟ کیا اس پر یقین اہل حق کا عقیدہ نہیں؟ تو جیسے یہاں صعود ونزول آناً فاناً قابل انکار نہیں، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کا رفع جسمانی پھر حق تعالیٰ جل شانہ کے ارادہ کی مقناطیسی جذب نے ان کو آسمان پر اٹھا لیا ہو تو اس میں کونسی حیرت کی بات ہے؟ آج کل مسمریزم اور اسپریچویلزم کے عجائبات کا اگر کسی کو ذرہ بھر بھی علم ہو تو ان خوارق الٰہیہ میں ذرا بھی شبہ نہیں کر سکتا۔

خیر! یہ چیز تو ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے۔ کہنا صرف اتنا ہے کہ جب اللہ ورسول کوئی بات ارشاد فرمائیں، ہمیں بجز تسلیم کے کوئی مخلص نہیں قول تعالیٰ:

﴿ما كان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمرا ان يكون لهم الخيرة﴾

ترجمہ: ''اللہ ورسول کے فیصلہ کے بعد کسی مرد مؤمن یا عورت مومنہ کو ماننے نہ ماننے کا اختیار باقی نہیں رہتا۔''

نزول مسیح کے عقیدہ کی تنقیح

عقیدہ کی تنقیح کے دو جز ہیں:

❶ عیسیٰ علیہ السلام کا جسمانی رفوع۔

❷ اور پھر قیامت کے قریب آسمان سے نزول۔

یہی دو چیزیں ضروریات دین میں داخل ہیں، جب نزول مانا جائے گا تو رفع جسمانی خودبخود ماننا پڑے گا۔ اس لئے اس مضمون میں اس جز کو نہیں لیا گیا۔ باقی تفصیلات کہ رفع سے پہلے موت طاری ہوئی تھی یا نہیں، تھوڑی دیر کے لئے یا زیادہ دیر کے لئے رفع بحالت حیات ہوا؟ وغیرہ وغیرہ، ان جزوی تفصیلات میں کچھ کچھ سلف سے خلاف منقول ہے، لیکن اہل حق اور جمہور اہل سنت کا اس میں منقّح فیصلہ یہی ہے کہ جسد عنصری کے ساتھ بحالت حیات رفع آسمانی واقع ہوا۔ اس وقت صرف مسئلہ نزول کو اصولی حیثیت سے واضح کرنا تھا، اتنا عرض کر دیا گیا، اسی پر کفایت کی جاتی ہے۔ توقع ہے کہ طالب حق کے لئے اتنا لکھنا کافی ہوگا۔

﴿إن أريد إلا الإصلاح ما استطعت وما توفيقي إلا بالله عليه توكلت وإليه انيب﴾

وہ کتب جن سے حضرت یوسف بنوری ؒ نے دوران تالیف استفادہ کیا

(۱) اکفار الملحدین فی ضروریات الدین، علامہ انور شاہ کشمیریؒ متوفی ۱۳۵۲ھ۔
(۲) اصول البزدوی، فخر الاسلام البزدویؒ متوفی ۴۸۲ھ۔
(۳) الافصاح فی المحاکمۃ بین النووی وابن الصلاح، ابوعلی غانی۔
(۴) التلویح علی التوضیح، علامہ سعد الدین تفتازانیؒ متوفی ۷۹۲ھ۔
(۵) تفسیر الدر المنثور، حافظ جلال الدین سیوطیؒ متوفی ۹۱۱ھ
(۶) تفسیر القرآن العظیم، حافظ ابن کثیرؒ متوفی ۷۷۴ھ۔
(۷) تیسیر التحریر، ابن امیر حاج بادشاہ متوفی ۱۳۵۱ھ۔
(۸) تفسیر جامع البیان، ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ۔
(۹) تحیۃ الاسلام علی عقیدۃ الاسلام، علامہ انور شاہ کشمیریؒ متوفی ۱۳۵۲ھ۔
(۱۰) حاشیہ الموافقات للشاطبی، شیخ عبد اللہ درازؒ۔
(۱۱) سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر۔
(۱۲) السحب الوابلۃ علی ضرائح الحنابلۃ۔
(۱۳) شرح عقیدۃ طحاویۃ، ابن ابی العز الحنفیؒ متوفی ۷۹۲ھ۔
(۱۴) شرح جواہر التوحید۔
(۱۵) شرح عقیدہ سفارینی۔
(۱۶) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، علامہ بدر الدین العینیؒ متوفی ۸۵۵ھ۔
(۱۷) عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام، علامہ انور شاہ کشمیریؒ متوفی ۱۳۵۲ھ۔
(۱۸) فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، علامہ نظام الدین انصاریؒ متوفی ۱۲۲۵ھ۔

(۱۹) فتح المغیث، حافظ ابوالفضل العراقیؒ متوفی ۸۰۶ھ۔

(۲۰) فتح المغیث، امام ابوعبداللہ محمد السخاوی متوفی ۹۰۲ھ۔

(۲۱) فتح الباری شرح صحیح البخاری، حافظ ابن حجر العسقلانیؒ متوفی ۸۵۲ھ۔

(۲۲) الفصل فی الملل والاھواء والنحل، علامہ ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ۔

(۲۳) فیصل التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ، امام غزالیؒ متوفی ۵۰۵ھ۔

(۲۴) فقہ اکبر، امام ابوحنیفہؒ متوفی ھ۔

(۲۵) کشف الاسرار شرح اصول فخر الاسلام بزدوی، عبدالعزیز بخاریؒ متوفی ۷۳۰ھ۔

(۲۶) مقاصد الفلاسفہ، امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ۔

(۲۷) المواقف